مستنصر حسین تارڑ کی سفر نامہ نگاری میں افسانوی عناصر

ذوالفقار علی

Abstract:

The research is meant to explore the efforts of Mustansar Hussain Tarar to display fictional, romantic and sexual aspects in his travelogues. He uses these aspects as spices in his writings. Moreover, his use of imagination in his travelogues makes his writings look far from reality. He has over- fanticised the reality. He tries to reflect the social, cultural and civic aspects of the people of those regions where he goes for exploration.

مستنصر حسین تارڑ کا شمار ان سفر نامہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے جدید سفرنامے کو افسانے سے ہم آہنگ کر کے اس کو قارئین کے لیے مزید قابلِ مطالعہ بنایا اور یوں قارئین کے ایک بہت بڑے حلقے کو سفر نامے کی جانب متوجہ کیا۔

ان کے پہلے سفرنامے ''نکلے تری تلاش میں'' سے لے کر ''ہیلو ہالینڈ'' تک سب سفرناموں میں مقامات اورواقعات کا تنوع ان کی کامیابی کا باعث ہے۔ یورپ کی رنگینی و دلکشی کا بیان ہو یا اندرونِ ملک خوبصورت پہاڑی علاقوں کے حسن کا ذکر، ان کا اسلوب انفرادیت کا حامل ہے۔ وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے سفرنامے میں افسانویت شامل ہو جاتی ہے۔

> ''میں ایک لینڈ سکیپ یا ایک منظر کو دیکھ کر اسے یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور پھر واپسی پر اسے اپنے سامنے دوبارہ زندہ کرنے کا جتن کرتا ہوں اور جب وہ منظر بیان کرتا ہوں تو اس میں اس منظر سے جدائی کی کسک بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس لینڈ سکیپ کے لئے اداسی بھی تحریر میں جھلکنے لگتی ہے اور جب لکھتا ہوں تو اس لمحے کی محرومیاں اور ناکامیاں بھی اس میں شامل ہونے لگتی ہیں۔ شاید اسی لئے میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میرے سفرناموں میں فکشن بھی سرایت کر جاتی ہے۔'' (۱)

مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں راستے میں ملنے والے لوگ ان کی کہانی میں داخل ہوتے ہیں۔ اپنا کردار ادا کرتے ہیں پھر تکمیل کا احساس ہونے پر الگ ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے کردار لے لیتے ہیں۔ ان کے سفرناموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ قاری کو بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اسے بھی اپنے افسانے کے مناظر میں جگہ دیتے ہیں کہ وہ ہر لمحہ کو محسوس کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں افسانویت کی آمیزش کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس کا سفرنامہ زندگی کا مسلسل اور متحرک بیانیہ ہے اور وہ سفر میں تتلیوں، رنگوں اور پروں کو ہی نہیں پکڑتا بلکہ جذبے کے مدوجذر کو بھی گرفت میں لینے کی کوشش کرتا ہے اور سفرنامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے زندہ کرداروں کو بھی شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کرداروں کی وجہ سے اکثر اوقات تو یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ مستنصر شعوری طور پر ایک افسانہ تخلیق کر رہا ہے جو ایک نقطۂ سفر اور کلائمکس کی پوری قوس بنا کر سفر کے کسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔''(۲)

ایک زمانہ تھا کہ سفرنامے سنجیدہ اور سپاٹ ہوتے تھے۔ پھر مزاح کی آمیزش شروع ہوگئی جس نے تحریر کا رنگ چوکھا کر دیا۔ اب تقریباً ہر سفرنامہ نگار نے یہ چلن اختیار کر لیا ہے کہ تحریر کو چٹخارے دار بنایا جائے۔ شاید سفرنامہ نگار قاری کی نفسیات کو سمجھ گیا ہے کہ وہ چٹپٹے کھانوں کی طرح چٹپٹی تحریریں بھی پسند کرتا ہے اور مستنصر اس میدان میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ ان کا ہاتھ قاری کی نبض پر ہوتا ہے اور ذہن اس کی نفسیات کو پڑھ رہا ہوتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ اپنے پہلے سفرنامے ''نکلے تری تلاش میں'' کی اشاعت کے ساتھ ہی بطور سفرنامہ نگار شہرت کی بلندیوں پر جا پہنچے۔ ان کے اس سفرنامے نے اُردو سفرنامے کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا اور بہت سے نوجوان اس سفرنامے کو بغل میں دبائے یورپ کی اس دنیا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جو سفرنامہ نگار کے ہاں انہوں نے دیکھی تھی۔ انہوں نے اس سفرنامے کو فکشن کا تڑکا لگایا۔ مہ جبینوں کے قصے تو یورپی سفرناموں میں ہمیشہ سے موجود رہے ہیں لیکن مستنصر نے تو سفرنامے کو باقاعدہ داستان محبت بنا دیا۔ انہوں نے اپنے سفرناموں میں خود کو ایسے مشرقی نوجوان کی صورت میں پیش کیا جس کے ایشیائی خدوخال پر یورپی حسینائیں دم بخود رہ جاتیں۔ اس کے حسن پر فریفتہ ہو جاتیں اور اس بے نیاز محبوب سے ملاقات کو اپنی زندگی کی بڑی کامیابی گردانتیں۔ اپاہج لڑکی پاسکل کی مستنصر سے محبت کا قصہ تو اتنا جاندار تھا کہ اسے ''پیار کا پہلا شہر'' کے عنوان سے ترمیم و اضافے کے ساتھ ناول کی شکل میں شائع کیا گیا۔ اسی طرح ''خانہ بدوش'' سے ''جپسی'' کو ناول کی شکل دی گئی اور ''اندلس میں اجنبی'' سے افسانہ ''ذات کا قتل'' جو کہ افسانوی مجموعے ''سیاہ آنکھ میں تصویر'' میں شامل ہے، نکالا گیا۔ یہ اُردو ادب میں اپنی نوع کی اولین اختراع تھی کہ سفرنامے کے بطن سے ناول کا ظہور ہوا۔ مستنصر بنیادی طور پر ناول نگار کا مزاج لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس معاملے میں اُن پر مغربی ناول نگاروں کی تخلیقات سے استفادے کے اعتراضات موجود ہیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ سفرنامہ کو قارئین کے لئے ادبی اور علمی بوجھل پن کی بجائے دلچسپی سے بھرپور صنف بنانے میں مستنصر کے ''فارمولا سفرناموں'' کا کردار بڑا اہم ہے۔

''نکلے تری تلاش میں'' کے مصنف کے معاشقوں کا آغاز وینس کے شہر سے ہلکے پھلکے، راہ چلتے ہوتا ہے اور تمام سفر میں جاری رہتا ہے (جو کہ ان کے دوسرے سفرناموں میں بھی اسی شان سے ہنوز جاری و ساری ہے)۔ وینس میں والدین کے ساتھ سیر کے لئے آئی ربیکا سیاح کو دل دے بیٹھتی ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت برن میں سیاح کے ایک شناسا لہ بہن ژیلیا کے دل کے تار اس کے لئے بج اُٹھتے ہیں۔ جرمنی سے ڈنمارک میں داخل ہو کر وہ ایک امریکی لڑکی کی کار میں لفٹ لیتا ہے جو کوپن ہیگن تک اسے ساتھ لے جاتی ہے اور مزید رفاقت کی تمنا کرتی ہے۔ کوپن ہیگن ہی کے کیمپ ہارن نامی شبینہ کلب میں ایک لڑکی سیاح کے حسن کی داد یوں دیتی ہے کہ اس کی سرین پر چٹکی بھر لیتی ہے اور برملا اظہارِ عشق یہ کہہ کرتی ہے کہ بس تم اچھے جو لگے ہو۔ سویڈن میں سیاح پر سکینڈے نیوین ائیر سروس کی ائیر ہوسٹس دل و جان سے فدا ہو جاتی ہے اور یہ معاشقہ سیاح کے پہلے معاشقوں سے سنجیدہ صورت اختیار کر جاتا ہے۔ لندن میں سیاح ایک ہندوستانی نژاد مشرقی افریقہ کی لڑکی رملا ابراہیم سے دو چار ہوتا ہے۔ انگلستان کی لیک ڈسٹرکٹ کے راستے میں ایک آسٹرین لڑکی سیاح میں دلچسپی لیتی ہے مگر سیاح کی عدم توجہ بات کو آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ اس سفرنامے کا آخری معاشقہ فرانس جاتے ہوئے بحری جہاز میں جنم لیتا ہے اور پیرس میں پروان چڑھتا ہے یعنی اینگلو فرنچ لڑکی پاسکل جو کار کے ایک حادثے میں لنگڑی ہو چکی ہے سیاح کے دل میں جگہ پا لیتی ہے اور سیاح اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ اس آخری معاشقے میں حزن کا پہلو نمایاں ہے۔

مستنصر کے سفرنامے ''خانہ بدوش'' میں فلارنس کے بارش میں بھیگتے ہوئے مردہ شہر کے اندر بھی سفرنامہ نگار جذبات کی گرمی کو اپنی تحریر کا حصہ بناتے ہیں۔ شیلا نامی ایک حسینہ جسے مصنف نیم مزاحیہ فقرے کے ساتھ غیر سنجیدگی سے اپنے خیمے میں رات گزارنے کی دعوت دیتے ہیں۔ بارش میں اندر اور باہر کے موسم کو ایک جیسا نہ ہونے دینے کے لئے مصنف خود کو تمام کپڑوں سے آزاد کر کے کیمپنگ میں لگے اپنے خیمے کے اندر داخل ہوتے ہیں جہاں پہلے سے دعوت کو قبول کر کے آنے والی شیلا لباسِ آدم میں سیاح کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتی ہے۔ گفتگو کے دوران قدرے ملبوس ہو کر اپنے خیمے میں لیٹنے ''وغیرہ'' کی جگہ کو دیکھتے ہیں تو خیمے کے ایک چوتھائی حصے پر حسینہ کے بال بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارے مشرقی، شرمیلے اور حیادار یونانی خدوخال کے مالک سفرنامہ نگار مشرقی حیا کے تقاضے کے عین مطابق خود باہر جا کر سونے کی پیشکش کرتے ہیں لیکن ''دعوت'' پر آئی ہوئی حسینہ ''باہر تو بارش ہو رہی تھی'' کہہ کر ان کے قدم روک لیتی ہے۔ آگے کا قصہ ہمارے قادر الکلام سفرنامہ نگار انتہائی بے ضرر انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ہاں باہر تو بارش ہو رہی ہے''۔ اس معرکے کو سر کرنے کے بعد سیاح نے اپنے کتابچے، نقشے، پاسپورٹ پھینک کر اگلے کئی دن تک خود کو اطالوی ہی سمجھتے ہوئے اور سیاحت کو خیر باد کہتے ہوئے فلارنس کی گلیوں میں بے مقصد گھومنا شروع کر دیا اور اپنے اس ''کارنامے'' کے اثرات پر ایک احساسِ برتری کے ساتھ دوسرے سیاحوں کو دیکھتے اور جوڑوں کو نازک حالت میں دیکھ کر ''آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے'' کہہ کر چھیڑتے رہے۔ شکر ہے کہ موصوف کے خیمے میں کوئی گرفتار کرنے والا نہیں آ گیا ورنہ ہم ایک دلچسپ سفرنامے سے محروم رہ جاتے۔

سیاح کے اتنے بہت سے معاشقے، سفرنامے کو دلچسپ تو ضرور بنا دیتے ہیں مگر سفرنامے کی ہیئت پر بھی اثر

انداز ہوتے ہیں جو اسے سفر نامے سے نیم آپ بیتی یا رومانی ناول کا سا رنگ دے ڈالتے ہیں۔ اپنے سفر کے ہر موڑ پر وہ ہر مسکرا کر ملنے والی لڑکی کے جذبات کو اسی طرح سے لیتے اور بیان کرتے ہیں جیسے وہ لڑکی ان پر فریفتہ ہو اور سفر نامہ نگار کی محبوبانہ اداؤں نے اسے اسیر کر لیا ہو۔ اور مستنصر کی تحریر میں اس لڑکی سے قربت کی خواہش کروٹ لیتی نظر آتی ہے لیکن اس سلسلے کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مصنف اپنی ان خواہشات کو عاریتاً اس لڑکی کے سراپے میں منتقل کر کے خود کو محبوب تصور کر لیتے ہیں اور پھر عاشقی کا بارِ گراں اس دوشیزہ پر ڈال کر اپنے تئیں محبوب بن بیٹھتے ہیں اور واقعات میں ایسی رومانوی رنگ آمیزی کرتے ہیں کہ جس سے قاری زیادہ سے زیادہ لذت کشید کر سکے اور یہی ان کا عمومی رویہ ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید کی رائے ملاحظہ کیجئے:

> ''ان ٹائپ کرداروں میں نوجوان لڑکیاں خوابیدہ آنکھوں سے اجنبی سیاح کا استقبال کرنے کے لئے ہمہ تن مستعد نظر آتی ہیں۔ مائیں شہد کے کٹورے اور تنوری نان لئے ان کی منتظر رہتی ہیں۔ باپ تند خو اور جابر ہیں لیکن جب اپنی بیٹیوں کی آنکھوں میں گلابوں کو کھلا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کی فطری تندی نرم خوئی میں بدل جاتی ہے۔'' (۳)

سیاح کے معاشقوں کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہر جگہ لڑکی ہی اُس پر عاشق ہوتی ہے۔ وہ کسی میں دلچسپی لیتا ہے نہ کسی کو غرورِ حسن میں درخور اعتنا سمجھتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ ملک ملک اور شہر شہر کی لڑکیاں اس کے قاتل حسن میں رطب اللسان نظر آتی ہیں۔ ان کے سفر نامے میں قاری کو ایسے سیاح سے پالا پڑتا ہے جو نہ صرف سفر کی منزلیں قطع کرتا ہے بلکہ لڑکیوں کے دل بھی قطع کرتا چلا جاتا ہے۔ مستنصر کے دوسرے سفر نامے ''اندلس میں اجنبی'' میں بھی ان کا طرزِ بیان وہی روایتی ہے یعنی سفر کی ہر منزل پر کوئی حسینہ سیاح کے حسن پر فدا ہو جاتی ہے اور وہ اسے تڑپتا ہوا چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہے۔ جہاں اس کا نخچیر بننے کے لئے کوئی اور حسینہ دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا دونوں سفر نامے پڑھنے کے بعد قاری مصنف کے متعلق یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ خود پرستی کا شکار ہے اور ساتھ ہی ساتھ خود کو یوسفِ ثانی خیال کئے ہوئے ہے جس کو دیکھ کر یورپ کی حسین لڑکیاں اکابرینِ مصر کی بیگمات کی طرح ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہیں اور زلیخا کی طرح اسے دعوتِ نشاط دیتی ہیں۔

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ مستنصر حسین تارڑ کے ابتدائی سفر ناموں کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

> ''مستنصر حسین تارڑ نے اپنے تین ابتدائی سفر ناموں '' نکلے تری تلاش میں''، ''اُندلس میں اجنبی'' اور '' خانہ بدوش'' میں ڈان یوآن بننے کی کوشش کی۔'' (۴)

مستنصر اپنے سفر ناموں میں بعض مقامات پر ڈان یوآن بننے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ایسے مقامات کا مطالعہ کرتے ہوئے تو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سفر نامہ نگار نے ایسے واقعات کو بیان کرنے کے لئے ہی سفر نامہ لکھنے کا جتن کیا ہے۔ ان کے سفر ناموں میں ذہنی عیاشی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ اس طرزِ عمل یا طرزِ نگارش میں فرد بظاہر احساسِ برتری کے تحت نمائش پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ہر طرح کے احساسِ برتری کے عقب میں دراصل احساسِ کمتری ہی کارفرما ہوتا ہے۔ مستنصر کو بھی شاید یہی عارضہ لاحق ہے۔ ان کے ہاں دوشیزاؤں کی کثرت نظر

آتی ہے۔ کے ٹو کی برفیلی چوٹیاں ہوں یا اندلس کے حسین باغات ، پیرس کی گلیاں ہوں یا پیکنگ کے بازار ہر جگہ دوشیزائیں ان کا سواگت کرنے کے لئے تیار کھڑی ہوتی ہیں ۔ سچ ہے ''خدا شکر خورے کو شکر دے ہی دیتا ہے۔''

مستنصر کے سفر ناموں میں جا بجا ایسے کردار ملتے ہیں جو جنسی نا آسودگی کا شکار ہیں اور بعض اوقات وہ کردار سفر نامہ نگار کو ''دعوتِ عمل'' بھی دیتے نظر آتے ہیں۔ ایسے کرداروں کی بہتات بعض اوقات قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان کرداروں کی یہ جنسی بھوک کہیں سفر نامہ نگار کی اپنی ذاتی جنسی نا آسودگی تو نہیں جس کو وہ اوروں سے منسوب کر کے خود کو پارسا بھی ثابت کر جاتا ہے اور صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کے مصداق باتوں باتوں میں اس کا اظہار بھی کر جاتا ہے۔

مستنصر کی تحریریں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ شاید ان کی تحلیلِ نفسی کی ضرورت ہے۔ فرائیڈ نے اپنی کتاب ''Interpretation of Dreams'' میں تحلیلِ نفسی کی بھرپور وضاحت کی ہے ۔ ان کے خیال میں جس طرح خوابوں میں نا آسودہ خواہشوں کا اظہار ہوتا ہے اگر ادب کی تحلیلِ نفسی کی جائے تو ان تخلیقات میں ان ہی خفتہ تمناؤں کی تشفی ہوتی نظر آئے گی۔ فرائیڈ کے خیال میں ادیب لکھنے کے لئے مجبور ہے کیونکہ اس کے لاشعور میں کوئی بات دبی رہ گئی ہے جس کے ارتفاع پذیر ہونے سے فن پارہ سامنے آیا ہے۔

نفسیاتی نقطہ نظر سے فرائیڈ عقل پر جبلتوں کو فوقیت دیتا ہے ۔ جبلتیں جب خارجی عوامل کی بناء پر اظہار نہیں پا سکتیں تو ردِعمل کے طور پر ذہنی الجھنوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں جن کی بگڑی ہوئی شکلیں خواب، ہسٹریا اور اختلالِ نفس کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ مگر یہی جبلتیں یا جنسی قوت ارتفاع پذیر ہو کر فن کا روپ دھار لیتی ہیں۔ اگر ماہرین نفسیات ان کرداروں کی اس جنسی تشنگی اور سفر نامہ نگار کی شخصیت کی اس حوالے سے تحلیلِ نفسی کریں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ان کرداروں کی نا آسودگی کو مصنف موصوف کی ذاتی خواہشات کا عکاس قرار دیں۔

اس ضمن میں یہ چند اقتباسات دیکھئے:

> ''اُس کی بیٹی آئرین ڈنر سے قبل گھڑ سواری کا مردانہ لباس تبدیل کر کے سیاہ رنگ کا ایک اُونی لباس پہن آئی تھی اور یقیناً پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔۔۔
>
> ''اس سے پہلے کہ تم بھی اونگھنے لگو چلو میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ آتی ہوں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔
>
> ہم ہال کے درمیان میں سے جاتی ہوئی سیڑھیوں کو طے کر کے دوسری منزل پر آ گئے۔ آئرین نے ہینڈ بیگ سے چابیوں کا وہی گچھا نکالا اور پہلے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ ''شب بخیر'' اس نے گردن میں ہلکا سا خم دے کر کہا۔ ''اور سہانے خواب'' اور دروازہ بند کر کے چلی گئی۔
>
> وکٹورین طرز کے قدیم فرنیچر سے آراستہ کمرہ بے حد آرام دہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے پلنگ پر بیٹھ کر ایک سگریٹ پیا اور اپنا سامان کھول کر کپڑے بدلنے کی تیاری کرنے لگا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر آئرین کھڑی تھی۔

''تم دو چار روز ہمارے ہاں کیوں نہیں ٹھہر جاتے۔اتوار کو گھڑ دوڑ بھی ہے۔ میں تو اس ویران گھر ،سنسان کھیتوں اور ڈیڈی کی بطخوں سے تنگ آ گئی ہوں۔''

اُس کی دعوت میں خلوص کے علاوہ کوئی اور جذبہ بھی پنہاں تھا۔'' (۵)

'' رات کے پچھلے پہر دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی ۔'' اندر آ جائیں۔'' میں نے اونگھتے ہوئے کہا۔ دستک دوبارہ ہوئی ۔۔۔ میں جمائیاں لیتا ہوا اُٹھا اور دروازے کی چٹخنی کھینچ دی۔ باہر ٹیبل لیمپ کی ہلکی روشنی میں نوئلہ کھڑی تھی۔ نائلون کے باریک شب خوابی کے لباس میں وہ بالکل بطخ نہیں لگ رہی تھی۔

''میں اندر آنا چاہتی ہوں۔'' اُس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں اور وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔'' ہاں ہاں۔ بالکل ضرور'' میں نے وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔ میری آنکھوں سے نیند بالکل غائب ہو چکی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ سر سے اُوپر اُٹھا کر اس طرح سے انگڑائی لی جیسے وہ بھنگڑا ڈالنے کے موڈ میں ہو۔ہاتھ پیچھے کرنے سے اُس کا لباس کندھے سے ڈھلک گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے تھوک نگلا۔'' (۶)

''یہ تو تمھیں وہاں جا کر معلوم ہوگا۔'' اُس نے اپنی بیٹھی ہوئی جنسی آواز میں سرگوشی کی۔

مونیک اپنے کیبن میں بے چینی سے ناخنوں کو دانتوں سے کتر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔

'' آخر تم آ گئے۔'' اُس نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔''ہاں میں آ گیا۔'' میں نے فوراً ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

'' کیا بات ہے؟''

''خوراک'' وہ بھوکی نظروں سے میرے اوپر جھک گئی۔'' کون سی خوراک؟ کس قسم کی خوراک؟ '' میں قدرے نروس ہو گیا۔

۔۔۔سیلون میں گرتھ حسبِ معمول اپنے مخصوص کونے میں براجمان وہسکی پی رہا تھا۔۔۔میں نے مونیک کی کارروائی رپورٹ کر دی۔

''تمھیں احتیاط برتنی چاہیے لڑکے۔'' وہ ایک آئس کیوب کو منہ میں ڈال کر کڑ کڑانے لگا۔انسانی ہمدردی کو جسمانی ہمدردی میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔'' (۷)

''ایک دم مجھے اپنے جسم پر انگلیوں کا لمس محسوس ہوا۔ پہلے تجربے کی بنا پر میں اب پوری طرح چوکس تھا اور اس سے قبل کہ چٹکی بھرنے کی نوبت آتی میرا ہاتھ مضبوطی سے ''مجرم'' کی کلائی پکڑ چکا تھا۔ میں پیچھے مڑا تو سامنے گداز جسم کی ایک سنہرے بالوں والی لڑکی بڑی ڈھٹائی سے مسکرا رہی تھی۔ اُس نے اپنی کلائی چھڑانے کی چنداں کوشش نہ کی۔'' (۸)

''وہ کیوبن سہیلی اپنے سراپے میں مختصر لیکن ایک برانگیختگی کی آتش میں سلگتی نظر آتی تھی۔ اُس کے نقش و نگار اگرچہ مشرقی حلاوت میں گھلے ہوئے تھے۔ گندمی رنگت میں گوندھے گئے تھے پر اُس کی بے حجابی مغربی تھی۔۔۔اُس کے فلیٹ میں داخل ہوا تو اُس نے اپنی چست جین اور سیاہ بلاؤز میں مجھے عجیب سی شک بھری نگاہوں سے دیکھا۔'' (۹)

''اگرچہ اُس شب وہ تینوں ہی ایک مدھم خمار میں تھیں کہ جس کو دیکھا خمار میں دیکھا۔۔۔وہ تینوں تو شاید ایک ہی بیڈروم میں سما گئیں اور مجھے خوابیدگی کے واسطے لونگ روم تفویض کر دیا گیا۔ جہاں محفلِ مے نشی سجی تھی۔ میں نے اپنا سلیپنگ بیگ کھول کر دبیز قالین پر بچھا دیا۔ اُس نے رینگ کر کچھ دیر تو میں ان تین حسین اتفاقات سے ایسی عجیب سی ملاقات کی خوشگواری پر مسکراتا ہوا غور کرتا رہا کہ آج صبح میں کیسے اُس شاہراہ کے کنارے بے یارو مددگار کھڑا تھا اور آج شب کم از کم تین یاریاں اور مددگاریاں ہیں جو کہیں قریب ہی جانے کیسے ہیجان خیز انداز میں سوتی ہوں گی اور جانے کس بدنی حالت میں ہوں گی۔۔۔اُس شب لاشعور کی یہ رو اُن تینوں خواتین کی تصوراتی خوابیدگی کے زیر و بم میں سانس لیتی، کبھی اُن کے نشیب میں اُترتی تھی اور کبھی فراز کے دودھیا پن کی کوہ پیمائی کرنے لگتی تھی۔۔تو میں آسانی سے تو نہ سویا۔ رات بھر نازک آہٹیں سنائی دیتی رہیں۔۔کون چلتا تھا۔۔۔میرے آس پاس کون چلتا تھا۔۔میرے سلیپنگ بیگ میں میرے سوا اور کون تھا جو محسوس ہوتا تھا۔۔۔کیوبن لڑکی کی جین جو واضح طور پر کولہوں سے ڈھلکتی لگتی تھی۔ اُس کی جیب میں ٹھنسی ہوئی وہسکی کی بوتل محسوس ہوتی تھی، فراخ ماتھے پر کٹے ہوئے بال تھے، تراشیدہ ہونٹ تھے، کیا تھا اور کون تھا۔۔۔شب بھر رہا چرچا ترا۔۔۔لاشعور کی رو کے راستے میں کیسی کیسی وادیاں اور اُبھار تھے۔۔۔تو میں آسانی سے نہ سویا۔'' (۱۰)

مستنصر بعض مقامات پر اپنے سفرناموں میں تلذذ کے نقطہ نظر سے ہوس انگیز مناظر بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کی نمائش کے لئے بھی ایسے مناظر کا سہارا لیتے ہیں ۔ وہ کہیں کہیں تو جملوں میں جنسی چٹخارے اور جنسی تپش سے اس کا رنگ اتنا تیز کر دیتے ہیں کہ اکثر صورتوں میں ایسے جملے پڑھنے اور سمجھنے کے دوران میں قاری کے کان سرخ ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ چٹخارے دار اور شریر جملے دیکھئے:

''یہاں میں نے ''جرمن'' کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ وہ ایک اطالوی سیاح خاتون کے ہمراہ تھا۔ خاتون پر بالائی بوجھ بہت تھا۔ جرمن نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور پھر اُس بوجھ کی طرف دیکھا۔'' (۱۱)

''پھر ایک طویل فلم دکھائی گئی۔۔۔اُسے دیکھ کر سویڈش مردوں نے کرسیوں کو تھاما اور خواتین

نے اپنے سینوں کو۔'' (۱۲)

''لیکن میں باز نہ آتا تھا کہ یہ اشنان مجھے نیا نکور کر دیتا تھا اور میرا بدن، کم از کم بالائی بدن کھنکنے لگتا تھا۔ زیریں بدن میں کھنکنے کی صلاحیت یوں بھی کم کم رہ گئی تھی۔'' (۱۳)

مستنصر کے ہاں افسانوی انداز کا ایک انوکھا طریقہ یہ ملتا ہے کہ وہ تخیل کے ذریعے حظ اُٹھاتے ہیں۔ وہ جس خوبصورت خاتون کو چاہتے ہیں اپنے تخیل کے ذریعے اور اس کی مختلف اشیاء سے محظوظ ہوتے ہیں۔ نفسیات کی اصطلاح میں اس عمل کو ''جنسی علامت پرستی'' کہتے ہیں۔ اس میں فرد جسمانی علامات کے علاوہ دوسری اشیاء سے بھی حظ اُٹھاتا ہے جیسے انڈر ویئر، چولی یا جوتے وغیرہ۔ جنسی علامت پرستی میں نفسانی خواہش عورتوں کے لباس یا اعضاء پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس نوع کے لوگ عورتوں کی مذکورہ بالا چیزوں کو چرا کر انہیں سینت سینت کر رکھتے ہیں اور یوں انہیں دیکھ دیکھ کر یا سونگھ سونگھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔ یہ عموماً جنسی علامات کو جنسی عمل کا بدل سمجھتے ہیں۔ مستنصر کے ہاں بھی بار ہا یہ رویہ نظر آتا ہے۔ ان کے سفر نامے ''تِتلی پیکنگ کی'' میں خوبرو خاتون سنہری وانگ لی مستنصر کے ساتھ اپنا کمرہ تبدیل کر لیتی ہے۔ جب مستنصر اُس کمرے میں جاتے ہیں تو اپنی ناکام حسرت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''کمرے میں ابھی تک سنہری وانگ لی کے بدن پر چھڑکے گئے یوڈی کولون کی مہک موجود تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔ باتھ روم میں اس کے میک اپ کا سامان اور زیر جامہ ملبوسات کی ایک بوتھی۔'' (۱۴)

مستنصر کے سفر نامہ ''یاک سرائے'' میں ڈاکیے سے سامنا ہونے پر سفر نامہ نگار کا اپنے نام کا خط دیکھنے کے لئے استفسار اور ڈاکیے کا ایک ایک خط کو کھنگال کر یہ کہنا کہ صاحب آج آپ کے نام کا کوئی خط نہیں۔ جنگل میں منگل منانے کی یہ فینٹسی اور محمد سلیم الرحمٰن کے شعر

ایک ویرانے میں خط میرے نام
جس پہ لکھا تھا فقط تیرا نام

ان سے مصنف اپنے ایک ناول ''ڈاکیا اور جولاہا'' کا سارا پلاٹ، کردار اور تحریک حاصل کرتا ہے۔ ان کے دیگر سفر ناموں میں بھی جہاں جہاں جنگل کے علاوہ منگل منایا جا رہا ہے وہاں بھی ان کے فینٹسی اور افسانوی طرزِ فکر کے نشان ملتے ہیں۔ مستنصر نے بعض جگہ نہ ہونے والی چیز کو بیان کر کے اور ہوائی قلعے تعمیر کرتے ہوئے خوب خوب خیالی پلاؤ پکائے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے افسانے کا تاثر لئے ہوئے ہیں۔ اس طرح سفر نامہ کہانی کی صورت میں کرداروں کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ بعض اوقات ان کے سفر ناموں میں افسانوی رنگ اتنا غالب آ جاتا ہے کہ سفر نامہ اس طرح درمیان سے غائب ہو جاتا ہے جیسے بادلوں کی اوٹ میں سورج۔ اس طرح ان کے ہاں افسانوی اور مبالغہ آمیزی کے نمونے ملتے ہیں۔ یوں ان کے سفر ناموں میں خودنمائی کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ قاری کو محظوظ کروانے کے چکر میں ان کے ہاں افسانوی انداز میں جنس کا عنصر غالب آ جاتا ہے اور سفر نامہ کہیں پیچھے رہ جاتا

ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھیے جس میں جنس نگاری کے نمونے افسانوی انداز میں نظر آتے ہیں:

''تم ایسی حسین لڑکیوں کو تو جوڈو کا لباس پہننے کی ضرورت نہیں۔۔۔''

بالآخر میں نے اس وقفے کو توڑا۔ ''تمہیں تو دیکھ کر ہی ہتھیار ڈال دینے کو جی چاہتا ہے۔'' اُس کے گول چہرے پر موم بتی لشکی۔

''تم اطالویوں کی طرح جھوٹی مگر خوبصورت باتیں کرتے ہو۔۔۔''

''بھئی میں تو تم سے محبت کرتا ہوں، شدید اور نہایت جذباتی قسم کی اور اگر میرا اطالوی ویزا کل ختم نہ ہو رہا ہوتا تو میں تمام وقت تمہاری وین کے پیچھے لٹک کر آہیں بھرتا رہتا۔۔۔ میں قسم کھاتا ہوں۔۔۔''

میں نے ہنستے ہوئے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنالیا۔

''اوتم بہت ہی ناقابلِ یقین قسم کے آدمی ہو مستنصر۔'' وینڈی مسکرا دی۔ ''جس طرح تم مجھے بتائے بغیر پلازا سائنوریا میں چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے تو مجھے اسی وقت شک ہوا تھا کہ تمہارے ذہن میں کچھ فتور ہے اور میں ایک نیم دیوانے شخص کے ساتھ وینس میں ہرگز گھومنا نہیں چاہتی۔'' ''بالکل'' میں نے سر ہلا دیا۔ ''لیکن ایک ہم دوسرے کو اچھے لگے، تھوڑی سی مدت کے لئے فلارنس میں!''

''ہاں'' میں نے پھر سر ہلا دیا۔ ''بہت اچھے لگے۔'' ''تم دراصل مجھے پلازا سائنوریا میں ہی چھوڑ آئے ہو۔۔۔'' اُس نے سر جھٹک کر میری طرف دیکھا۔ مسکراہٹ سمٹنے لگی، چہرہ آگے آیا، ہونٹ جدا ہوئے، نیم دائرے میں بدلے اور ایک گہرا سانس موم بتی کے شعلے پر بجھ گیا۔ یکدم اس کا چہرہ اندھیرے میں یوں چمکا جیسے کسی نے ماچس جلا دی ہو۔ یہ روشنی لحہ بھر کے لئے میرے گالوں پر نم آلود حدت کے ساتھ پھیلی۔ پھر وہ اُٹھی اور پردہ اُٹھا کر خیمے سے باہر نکل گئی۔'' (۱۵)

نسوانی حسن کی خوشبو مستنصر کے رگ و پے میں بسی ہوئی ہے۔ جہاں کہیں بھی خوبصورت عورت کا ذکر آتا ہے مستنصر عالمِ مدہوشی میں گم ہو جاتے ہیں اور اُس حسن کی منظر کشی اور جزئیات نگاری میں اُن کا قلم کچھ زیادہ ہی رواں ہو جاتا ہے۔ وہ بعض اوقات اس خاتون کی ایسی سراپا نگاری اور مدح سرائی کرتے ہیں کہ قاری سفرنامے کو بھول کر اس خاتون کے حسن، اداؤں اور سحر میں گم ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں یہ اقتباسات دیکھئے:

''اگر چہ وہ بوٹے سے قد کی تھی لیکن اس کا بدن نہایت کسا ہوا بلکہ۔۔۔ جب چلتی تھی تو جیسے ہوا میں چلتی تھی۔۔۔ وہ میرا سگریٹ سلگا کر پھر مجھ سے غافل ہوگئی۔۔۔ میں اور سنہری وانگ لی ہے۔۔۔ میری نیلی شرٹ اور اس کا نیوی بلیو فراک ایک دوسرے سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے سنہری چہرے پر وہی چمکیلی دھوپ نما مسکراہٹ ہے جو پیکنگ کی ایک تتلی کے لبوں پر ہوتی

ہے۔'' (۱۶)

''اُس کا لباس بدل چکا تھا۔ وہ ایک مونگیا رنگ کے ریشمی اور نہایت چینی انداز کے گاؤن میں تھی جو اس کا بدن بھی تھا اور لباس بھی۔ اس کے بوٹے سے قد میں کونپلیں پھوٹتی تھیں اور زور کرتی تھیں۔ وہی خاص خوشبو جو میرے کمرے میں اس کے پہناووں کے مختصر قیام سے ٹھہری ہوئی تھی اب اس کے چینی گاؤن کے نصف بازوؤں کے اندر سے مہکتی آتی تھی۔'' (۱۷)

''یہاں خاصی رونق تھی۔ چند ایک ہسپانوی لڑکیاں ریت پر بیٹھی سویٹر بن رہی تھیں اور وہ نہانے کے لباس کی بجائے اپنے روزمرہ کے لباس میں ملبوس تھیں۔۔۔فرانسیسی لڑکیاں تھیں جو نہانے کا مختصر لباس بکنی زیب تن کیے ریت پر لیٹی اپنے متناسب جسم سنولا رہی تھیں۔ بکنی چار گرہ کپڑے کے ان دو ٹکڑوں کا نام ہے جو ستر پوشی کے اصول ''وہ مال الگ باندھ رکھا ہے جو مال اچھا ہے'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جسم کے ایک حصے میں اور دوسرے حصے پر اٹکا لئے جاتے ہیں۔ بکنی کے بالائی حصے کی پتلی ڈوری کی گرہ شاید صرف قوتِ ارادی کی بنا پر قائم تھی ورنہ اس میں سوت کی مضبوطی کا چنداں دخل نہ تھا۔'' (۱۸)

''میرے ساتھ بیٹھی ہوئی پستہ قد اور قابلِ رشک صحت کی مالک لڑکی نیلے رنگ کی چست پتلون اور کالے سویٹر میں ملبوس تھی۔ سویٹر لمبائی میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے پتلون تک پہنچتے پہنچتے رہ گیا تھا۔ وہ بار بار سویٹر جو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر سویٹر اور پتلون کے درمیانی فاصلے کو پر کرنے کی کوشش کرتی مگر ہاتھ اُٹھاتے ہی جسم کے بالائی حصے کے کھچاؤ کی وجہ سے سویٹر سکڑ کر پھر اپنی پرانی حالت پر آ جاتا اور پتلون کی بیلٹ کے عین اور اس کا سفید پیٹ نظر آنے لگتا۔'' (۱۹)

مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں کی مقبولیت کا اصل سبب ان کا افسانوی اسلوب اور رومانوی کردار ہیں۔ مثال کے طور پر ''نکلے تری تلاش میں'' میں وینس میں سفر نامہ نگار کی ملاقات ربیکا نامی لڑکی سے ہوتی ہے۔ جس کے والدین اصرار کر کے اُسے مستنصر کے ساتھ شام گزارنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ مستنصر اس واقعے کو ایسا افسانوی رنگ دیتے ہیں کہ قاری یہ بھول جاتا ہے کہ وہ سفرنامہ پڑھ رہا ہے یا کوئی رومانی ناول۔ اس کے علاوہ ماگریتا، آئرین، ژیلیا اور پاسکل کے کرداروں کی موجودگی اس سفرنامے کو قاری کے لئے دلچسپ بنائے رکھتی ہے۔ بعض کرداروں کے رویے مغربی مزاج سے لگا نہیں کھاتے۔ پاسکل نے جس نوع کی محبت سفر نامہ نگار سے کی وہ یورپ کے معاشرے کا عمومی رویہ نہیں ہے۔ اسی طرح ماگریتا کا مختصر کردار مشرقی انداز کی محبت کا مظہر ہے۔ وقتِ رخصت اُس کی حالت کچھ یوں ہے:

''ماگریتا مجھے ہوسٹل تک چھوڑنے آئی۔ سنجیدگی نے اُس کے چہرے کا تاثر یکسر بدل دیا تھا اور وہ ایک مختلف انسان نظر آ رہی تھی۔ مسکراہٹ کے بغیر ماگریتا نامکمل تھی۔

''اگر تم پسند کرو تو میں کل صبح تمہیں سٹاک ہوم سے چند میل دور ناروے جانے والی شاہراہ پر چھوڑ آؤں گی۔''

''تمہیں خدشہ ہے کہ میں کہیں پھر واپس نہ آ جاؤں؟''

اُس نے میری بات کا جواب دیے بغیر کار سٹارٹ کی اور شہر جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

ماگریتا کی ننھی منی ببل کار کارل ستاد جاتی ہوئی شاہراہ پر بالکل بچوں کا کھلونا لگ رہی تھی۔

''ہم سٹاک ہوم سے پچاس میل دور تو آ گئے ہیں۔اب تم واپس چلی جاؤ۔''

''بس تھوڑی دور اور۔۔۔'' اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔کارل ستاد آیا تو میں زبردستی اُتر گیا۔'' (۲۰)

اس کے علاوہ کچھ ضمنی کردار بھی انہیں ہر موڑ پر ٹکراتے ہیں جو انہیں ''ہیت لک'' کہتے ہیں اور سفر نامہ نگار معاذ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنی نئی ''منزل'' کی طرف مسکراتے ہوئے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ منازل انہیں ان کے سفرناموں میں جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اور یورپ سے لے کر یاک سرائے کے ویرانے تک ہر جگہ وافر مقدار میں میسر ہیں۔

آئرین نامی لڑکی کی داستان بھی قاری کے لئے افسانے سے کم نہیں۔سفر نامہ نگار اس کے یارڈ میں خیمہ لگا کر شب بسری چاہتا ہے مگر وہ نازنین اُسے اپنے گھر لے جاتی ہے ۔اُس نازنین کے والد نے بھی مصنف کا خوش دلی سے استقبال کیا۔ جب آئرین گھر لوٹی تو اُس کے باپ نے پوچھا:

''آئرین ڈارلنگ تم پورے پینتیس منٹ دیر سے واپس آئی لوٹی ہو۔کہیں گھوڑا تو نہیں بدک گیا تھا۔''

''نہیں ڈیڈی! گھوڑا تو سوپر تھا۔'' لڑکی نے بوڑھے کے سرخ گالوں پر ایک مختصر سا بوسہ دیتے ہوئے پیار سے کہا۔اس دوران میں بوڑھے کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اُس نے سوالیہ نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔

''ڈیڈی یہ سیاح ہیں اور آپ کی پیاری بطخوں والے جوہڑ کے کنارے خیمہ نصب کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں شب بسری کے لئے اپنے ہاں مدعو کر لیا ہے۔ بالائی منزل کے تمام کمرے تو خالی پڑے ہیں نا؟''

''تم نے بڑا اچھا کیا آئرین۔ جوانی میں مجھے بھی سیاحت کا خبط تھا۔'' بوڑھے نے لڑکی کا کندھا تھپکا اور پھر مجھ سے سامان لے کر ہال کے ایک کونے میں رکھ دیا۔'' (۲۱)

اس نوع کے واقعات مشرق میں بھی خال خال نظر آتے ہیں اور یورپ میں جہاں مہمان نوازی کی روایات زیادہ مضبوط نہیں ہیں ایسے واقعات کا تسلسل سے ظہور مستنصر کے لیے عطیہ خداوندی ہی سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یورپ کی معاشرت کے مطالعہ سے ایسی باتوں کی تصدیق نہیں ہوتی ۔

مستنصرحسین تارڑ وہ رجحان ساز سفر نامہ نگار ہیں جو اپنی فطرت میں شامل کھوج کی تسکین کے لئے سفر اختیار کرتے ہیں۔نئی منزلوں کی تلاش اور نئی دنیاؤں کو پانے کی جستجو ہر دم انہیں سفر پر آمادہ رکھتی ہے اور ہر نئی منزل پر روح میں اُترتی گہری آسودگی انہیں راستے کی تکالیف سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ان کا ہر قدم ایک نئی دنیا دریافت کرتا اور ان کے دل کو ایک نئی خوشی اور مسرت سے لبریز کرتا ہے۔مستنصر کے سفرنامے ان کی منفرد شخصیت ، مشاہدے اور مخصوص طرزِ تحریر کے باعث بے پناہ مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ وہ سفر کے حالات کے ساتھ ساتھ قاری کی دلچسپی کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور رومانوی انداز اپناتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ افسانوی تکنیک سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔یہی ان کے سفرناموں کی نمایاں خصوصیت ہے۔اس طرح اُن کے سفر ناموں کا مقصد حسن کی تلاش ، رومانویت کے اجزا اور افسانوی طرزِ اسلوب کے ذریعے اپنی شخصیت اور تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ہے۔تہذیب ، ثقافت اور معاشرت کے پہلو اُن ممالک کے لوگوں کی زندگی میں سے ڈھونڈنا اور ان کا بیان کرنا عام طور پر اُن کا مطمع نظر نہیں۔مختصر یہ کہ مستنصرحسین تارڑ کے سفرناموں میں افسانوی ، رومانوی اور تخیل کے عناصر کی کارفرمائی بدرجہ اتم موجود ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مستنصرحسین تارڑ ، **کے ٹو کہانی**،لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء،ص۲۰۹

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، **اردو ادب میں سفرنامہ** ، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی ،۱۹۸۷ء،ص۳۵۷

۳۔ ایضا---ص۳۵۸

۴۔ حامد بیگ،ڈاکٹر، **اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ**، لاہور: کلاسیک، ۱۹۹۹ء،ص۱۳۲

۵۔ مستنصرحسین تارڑ، **نکلے تری تلاش میں** ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص۴۲۰

۶۔ ایضاً---ص۲۴۳

۷۔ مستنصرحسین تارڑ ، **خانہ بدوش** ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء،ص۲۸۲-۲۸۳

۸۔ مستنصرحسین تارڑ ، **نکلے تری تلاش میں** ،ص۲۹۲

۹۔ مستنصرحسین تارڑ ، **ہیلو ہالینڈ** ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء،ص۴۴

۱۰۔ ایضاً---ص۴۵-۴۶

۱۱۔ مستنصرحسین تارڑ ، **سفر شمال کے** ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء،ص۱۸۹

۱۲۔ مستنصرحسین تارڑ ، **ہنزہ داستان**، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۳ء،ص۱۸۷-۱۸۸

۱۳۔ مستنصرحسین تارڑ، **کے ٹو کہانی** ،ص۳۴۷-۳۴۸

۱۴۔ مستنصر حسین تارڑ، **پتلی پیکنگ کی**، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۳۱۷

۱۵۔ مستنصر حسین تارڑ، **خانہ بدوش**، ص ۴۵۳-۴۵۴

۱۶۔ مستنصر حسین تارڑ، **پتلی پیکنگ کی**، ص ۳۴۵

۱۷۔ ایضاً۔۔۔ ص ۳۴۷

۱۸۔ مستنصر حسین تارڑ، **اندلس میں اجنبی**، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ئس، ص ۲۵-۲۶

۱۹۔ ایضاً۔۔۔ ص ۱۶

۲۰۔ مستنصر حسین تارڑ، **نکلے تری تلاش میں**، ص ۳۳۴

۲۱۔ ایضاً۔۔۔ ص ۴۱۹